محمد معظم الدین
ریسرچ اسکالر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

# قرآن مجید فکرِ اقبال کا ماخذ

اقبال بیسویں صدی کے ربع اول میں اردو شاعری میں اہم ترین مقام رکھتے ہیں۔ وہ بیک وقت شاعر، مفکر مصلح، پیغامبر اور ایک عظیم حکیم الامت تھے۔ ان کی قابلیت و جوہر نے چمن اردو شاعری میں وہ گل کھلائے جس کی شگفتگی و تر و تازگی آج بھی برقرار ہے اور جس کی خوشبو آج نہ صرف ہمارے دل و دماغ کو معطر کر رہی ہے بلکہ آئندہ نسلوں کے لیے بھی فیض یابی کا کافی سامان موجود ہے۔ اقبال کی شاعرانہ عظمت اپنی جگہ مسلم ہے لیکن ان کی عظمت کا راز ان کی فکر اور فلسفہ میں مضمر ہے۔ اور اس بصیرت اور آگہی اور معیار فکر و نظر میں پوشیدہ ہے جو انھوں نے اسلامی تعلیم اور کلام الٰہی سے حاصل کیا۔ اقبال کا فن اور فلسفہ دونوں ایک دوسرے کو سہارا دیتے ہیں لیکن فلسفہ کو فن پر سبقت اور اولیت حاصل ہے۔ اقبال شاعر ضرور تھے لیکن انھوں نے اپنی نوائے پریشاں کو شاعری سمجھنے سے انکار کر دیا اور خود کو محرم راز درون میخانہ بتایا۔

سرسید، اکبر، حالی اور اقبال سبھی مصلح قوم کی حیثیت سے ابھر کر سامنے آئے اور معاشرے کی فلاح و بہبود کو مدنظر رکھا۔ لیکن طریقہ کار جدا گانہ رہے۔

اقبال ایک پیامی شاعر کی حیثیت سے ہمارے سامنے آتے ہیں اور اپنے فکر و فلسفے کو شاعری کے سانچے میں ڈھال کر عوام کے دلوں کو بیدار کرتے ہیں اس بیداری کے لیے انھوں نے قرآن حکیم کو اپنے پیغام کا وسیلہ بنایا۔ اقبال نے یہ نکتہ بخوبی سمجھ لیا تھا کہ مسلمانوں کی پستی اور ذلت کا سبب ان کا قرآن کریم کی تعلیم سے بیزاری ہے اور جب تک وہ اس ام الکتاب کو اپنی زندگی کی اساس نہیں بنائیں گے ان کی فلاح و بہبود ناممکن ہی نہیں بعید از قیاس بھی ہے علامہ نے بارہا اس بات کی طرف اشارہ بھی کیا ہے کہ دنیا کے تمام مصائب و آلام کا

حل صرف اور صرف قرآن کریم میں پوشیدہ ہے۔

زمانۂ اقبال ہی سے فکرِ اقبال کے منبع و ماخذ کا موضوع زیرِ بحث رہا ہے اور مختلف ناقدین نے مختلف آراء کا اظہار کیا ہے۔ بعض ناقدین نے اقبال کا رشتہ نطشے، ولنتے، برگساں کے علاوہ دیگر مغربی مفکرین سے بھی جوڑنے کی کوشش کی ہے اور اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ اقبال نے مغرب و مشرق کے میخانوں سے اپنے جامِ فکر کو لبریز کیا ہے۔ اس میں کلام نہیں کہ اقبال حکمائے مشرق و مغرب سے گہری واقفیت رکھتے تھے لیکن کبھی جامِ فرنگ سے سوال نہیں کیا (سوالِ مے نہ کروں جامِ فرنگ سے میں) اقبال کے منبع و ماخذ کے بارے میں بلا کسی پس و پیش کے یہ کہا جا سکتا ہے کہ انھوں نے کلامِ الٰہی سے فیض حاصل کیا ہے اور اپنی زندگی کا سرمایہ اسی کتاب کے مطالعے اور اس کی تفسیر میں صرف کیا ہے۔ انھوں نے ملّتِ اسلامیہ کی فلاح و بہبود کے لیے کلامِ پاک سے ہی رہنمائی حاصل کی اور اسی کی اساس پر اپنی فکر کا ایوان تعمیر کیا۔

اقبال کے منبع و ماخذ کے بارے میں پروفیسر اسلوب احمد انصاری کا یہ قول نقل کرنا بے محل نہ ہوگا:

"اقبال کے سلسلے میں بعض کوتاہ اندیش مبصرین نے اس قیاس کا اظہار کیا ہے کہ انھوں نے مغرب و مشرق کے میخانوں سے اپنی مئے مینا گداز کی کشید کی ہے اور اپنا دامن ان موتیوں سے بھرا ہے جو انھوں نے بعض حکماء اور اہلِ دانش و بینش کی جیبوں سے رولے ہیں ۔۔۔۔۔ یہ قیاس بے حد مغالطہ انگیز ہے۔ بے شک اقبال نے ہر سمت سے فیض ریزوں کو چنا ہے اور ان کے یہاں فیضان کے مختلف دھاروں کا بظاہر ایک سنگم نظر آتا ہے یہ غالباً اس لیے ہے کیونکہ اسلامی عقیدے کے مطابق حکمت ایک خیرِ کثیر ہے جس کے شیون مختلف، متنوع اور محدود ہیں۔ ۔۔۔ اور اقبال نے ترک و اختیار اور رد و جذب کا جو معیار برتا ہے اس کا ماخذ، منبع اور مخرج قرآنِ حکیم کے سوا کچھ اور نہیں کیوں کہ انھوں نے اپنے خطوط میں ایک جگہ برملا اور بے ملا کہا ہے کہ ان کے نزدیک اسلام ہی سب سے بڑی حقیقت ہے۔"[1]

اس سلسلے میں پروفیسر اسلوب احمد کی یہ رائے بھی قابلِ قدر ہے:

"آپ اقبال کی شاعری کو ان کے مذہبی وجدان، طرزِ فکر اور زندگی کی طرف ان کے بنیادی رویوں سے الگ کیسے نہیں دیکھ سکتے اگر آپ کا اسلامی فکر کے تشکیلی عناصر سے بڑھے ہے تو آپ ان

[1] نقشِ اقبال پروفیسر اسلوب احمد انصاری سنہ ۱۹۷۱ء

کی شاعری کو مکمل طور پر نہ سمجھ سکتے ہیں اور اس کی تحسین کا حق ادا کر سکتے ہیں ؎

مذکورہ بالا اقتباسات سے انحراف کی گنجائش نہیں۔ اقبال کو قرآن مجید سے جو والہانہ محبت تھی اس کو ہمیں پیش نظر رکھنا ہوگا اور ان کی شاعری کا جائزہ اس کی روشنی میں لینا ہوگا۔ اقبال کو سمجھنے کے لیے قرآن کا سمجھنا ضروری ہے۔ بغیر قرآن کے اقبال مکمل نہیں ہیں اور اگر ہم بغیر قرآن کو سمجھے انھیں سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں تو یہ ان کے ساتھ مذاق اور ناانصافی نہیں بلکہ خود اپنی کم مائیگی اور تنگ نظری کا ثبوت فراہم کرنا ہے اقبال مسلمان تھے اور مسلمانوں کو جو چیز چودہ سو سال سے ورثہ میں ملتی رہی ہے وہ صرف قرآن کریم ہے۔ ہمارے مذہب کی بنیاد اور زندگی کا سرمایہ صرف یہی کتاب ہے اور یہ ہمارا اولین فرض ہے کہ ہم اللہ اور اس کے رسول اور ان پر نازل کردہ قرآن پر ایمان لائیں اور اس کے بتائے ہوئے راستے پر چلیں اقبال نے قرآن پاک کی قدر و قیمت کا صحیح تعین ہی نہیں بلکہ اس سے اسرار و رموز کو خود بھی سمجھ کر لوگوں کو بھی سمجھانے کی کوشش کی ہے اور انھیں اس بات کی ہدایت کی ہے کہ اگر ہم زندگی میں فتح یاب اور کامیابی سے ہمکنار ہونے کی خواہش رکھتے ہیں تو ہمیں کتاب اللہ کو سامنے رکھنا ہوگا کوئی بھی مسلمان (اگر وہ مسلمان ہے تو) اس سے انکار نہیں کر سکتا کہ فلاح و بہبود کا راستہ صرف اور صرف قرآن کریم میں مضمر ہے۔ انھوں نے مختلف مقامات پر قرآن کریم کی عظمت کا اعتراف کیا ہے اور دل سے اس کے مداح ہیں یہاں اس مکتوب کی نقل ضروری معلوم ہوتی ہے جو انھوں نے ۱۲ مارچ ۱۹۳۶ء کو لاہور سے آل احمد سرور کے نام لکھا تھا:

> (۱) میرے نزدیک فاشزم، کمیونزم یا زمانہ حال کے اور ازم کوئی حقیقت نہیں رکھتے۔ میرے عقیدے کی رو سے صرف اسلام ہی ایک حقیقت ہے جو بنی نوع انسان کے لیے ہر نقطہ نگاہ سے موجب نجات ہو سکتی ہے میرے کلام پر ناقدانہ نظر ڈالنے سے پہلے حقائق اسلامیہ کا مطالعہ ضروری ہے اگر آپ پورے غور اور توجہ سے مطالعہ کریں تو ممکن ہے آپ انھیں نتائج تک پہنچیں جن تک میں پہنچا ہوں۔ اس صورت میں غالباً آپ کے شکوک تمام کے تمام رفع ہو جائیں گے ؎

اسی طرح کا اظہار خیال علامہ اقبال نے سر راس مسعود کے نام ایک خط میں کیا ہے:

> میں چراغِ سحری ہوں بجھا چاہتا ہوں۔ تمنا ہے کہ مرنے سے پہلے قرآن کریم کے متعلق اپنے افکار قلم بند کر جاؤں۔ جو تھوڑی سی ہمت و طاقت ابھی مجھ میں باقی ہے اسے اسی خدمت کے لیے

---

؎ نقشِ اقبال، پروفیسر اسلوب احمد انصاری ص ۲۵ ۱۹۸۹ء ؎ اقبال نامہ، حصہ دوم ص ۳۱۷ یہ مکتوب تمہید کے بعد چار حصوں پر مشتمل ہے جس کا پہلا حصہ نقل کیا گیا ہے۔

دفن کر دینا چاہتا ہوں تاکہ قیامت کے دن آپ کے جدِ امجد حضور نبی کریم کی زیارت مجھے اس اطمینان خاطر کے ساتھ میسر ہو کہ اس عظیم الشان دین کی جو حضور نے ہم تک پہنچایا کوئی خدمت بجالا سکا۔" [۱]

علامہ اقبال کو کلام پاک سے جو جذباتی لگاؤ اور والہانہ محبت تھی اس کا بخوبی اندازہ درج ذیل اقتباس سے بھی ہوتا ہے:

"دوسری راؤنڈ ٹیبل کانفرنس میں اقبال نے جب بحیثیت صدر کے شرکت کی تو ہندوستان ٹائمز کے نمائندے نے ان سے دریافت کیا کہ راؤنڈ ٹیبل کانفرنس میں آپ کیا خاص بات لے کر شریک ہو رہے ہیں:

ڈاکٹر اقبال نے کہا:

"میرے پاس اور کچھ نہیں لیکن قرآن ہے میں اسی کو پیش کر دوں گا۔" [۲]

دراصل اقبال نے قرآن شریف کا مطالعہ کثرت سے کیا تھا اور زمانہ طالب علمی میں تلاوتِ کلام پاک ان کا محبوب ترین مشغلہ تھا اس کے بارے میں خود اقبال کی سنیئے

"جب میں سیالکوٹ میں پڑھتا تھا تو صبح اٹھ کر روزانہ قرآن پاک کی تلاوت کرتا تھا۔ والد مرحوم اپنے اوراد و وظائف سے فرصت پا کر آتے اور مجھے دیکھ کر گزر جاتے ایک دن صبح کو میرے پاس سے گزرے تو فرمایا کہ کبھی فرصت ملی تو میں تم کو ایک بات بتاؤں گا۔ بالآخر انھوں نے ایک مدت کے بعد یہ بات بتائی۔ ایک صبح جب میں حسب دستور قرآن کی تلاوت کر رہا تھا تو میرے پاس آئے اور فرمایا "بیٹا! کہنا یہ تھا کہ جب تم قرآن پڑھو تو یہ سمجھو کہ یہ قرآن تم ہی پر اترا ہے یعنی اللہ تعالیٰ خود تم سے ہمکلام ہے۔" [۳]

والد کی اس نصیحت کے دور رس نتائج برآمد ہوئے۔ اب اقبال نے پوری توجہ کلام پاک کے مطالعے پر مرکوز کر دی جس کا خاطر خواہ نتیجہ یہ ہوا کہ قرآن مجید کے اسرار و رموز ان پر منکشف ہونے لگے۔ وہ مولانا گرامی کے نام ایک مکتوب میں لکھتے ہیں۔

---

[۱] بحوالہ اردو نثری ادب، مرتبہ ابوالخیر کشفی ظہیر الدین احمد، بار اول ۱۹۵۵ء۔

[۲] اقبال اور قرآن، ابو محمد مصلح ۱۹۷۷ء ص۱، [۳] اقبال کامل، ص۶۔

"یہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے کہ اس نے قرآن شریف کا یہ مخفی علم مجھ کو عطا کیا ہے میں نے پندرہ سال تک قرآن پڑھا ہے اور بعض آیتوں اور سورتوں پر مہینوں بلکہ برسوں غور کیا ہے".

درج بالا اقتباسات سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ قرآن کریم کا اتنی دلچسپی اور اتنی مدت تک مطالعہ کرنے کے بعد شاعرِ اعظم نے جو کچھ بھی کہا ہوگا یقیناً کلام پاک کی روشنی میں ہی کہا ہوگا۔ اس ضمن میں خود اقبال کا دعویٰ ہے کہ ان کے کلام کا ایک حرف بھی قرآن سے باہر نہیں ہے مثنوی "رموزِ بے خودی" میں انھوں نے سرورِ کائنات ﷺ کو مخاطب کر کے کہا ہے کہ میں نے ملتِ اسلامیہ کو جو مثل مردہ کے تھی آبِ حیوان کا پتہ بتایا اور قرآنی اسرار میں سے اسے ایک راز سے باخبر کر دیا ہے اگر میرے کلام میں قرآنی فکر کے سوا کوئی فکر مضمر ہو تو قیامت کے دن مجھے ذلیل و خوار کرنا اور اپنی پابوسی کی نعمت سے محروم کر دینا۔

مردہ بود از آبِ حیواں گفتمش    سرّ از اسرارِ قرآں گفتمش
گر دلم آئینۂ بے جوہر است    ور بحرفم غیرِ قرآں مضمر است
پردۂ ناموسِ فکرم چاک کن    ایں خیاباں را ز خارم پاک کن
تنگ کن رختِ حیات اندر برم    اہلِ ملت را نگہدار از شرم
خشک گرداں بادہ در انگورِ من    زہر ریز اندر مے کافورِ من

روزِ محشر خوار و رسوا کن مرا
بے نصیب از بوسۂ پا کن مرا

اقبال کا نمایاں وصف جس کی بنا پر وہ اردو شاعری میں منفرد اور اہم ترین مقام رکھتے ہیں فلسفۂ خودی ہے یہ فلسفہ اسلامی عقیدے پر مبنی ہے اقبال کی فکر کا یہی محور ہے جس کے گرد ان کے تمام تصورات گردش کرتے ہیں۔ اس فلسفے کے ذریعے انھوں نے یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ انسان کا وجود حقیقی ہے اور کائنات میں اسے اشرف المخلوقات ہونے کا شرف حاصل ہے۔ ذات باری تعالیٰ کی طرف سے انسان کو بہت سی لیاقتیں اور صلاحیتیں عطا ہوئی ہیں لیکن سب کی سب ظاہر نہیں ہوتیں انسان کو چاہیئے کہ وہ ان صلاحیتوں کا پتہ لگائے اور انھیں بروئے کار لانے کی کوشش کرے گویا اقبال نے انسان کو اس کے اصل رتبے سے روشناس کرانے کی کوشش کی ہے۔ اسی "خودشناسی" کو اقبال کے یہاں "خودی" کا درجہ حاصل

سے جسے احساس نفس، یا عرفانِ ذات کے نام سے بھی موسوم کیا گیا ہے اقبال اپنے فلسفۂ خودی کی بنیاد کلامِ پاک کی اس آیۂ کریمہ پر رکھتے ہیں:

یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلَیْکُمْ اَنْفُسَکُمْ لَا یَضُرُّکُمْ مَنْ ضَلَّ اِذَا اھْتَدَیْتُمْ

(اے ایمان والو تم اپنے آپ کی حفاظت کرو، کہیں ایسا نہ ہو کوئی گمراہ تم کو ہدایت پانے کے بعد نقصان پہنچا دے)

اپنے آپ کی حفاظت اسی وقت ممکن ہے جب ہم خود کو پہنچانیں اور یہ بغیر احساس نفس یا عرفانِ ذات کے ممکن نہیں۔ لہذا انسان کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنی ذات کا تعین کرے اور اپنے نفس کو پہچانے۔ نفس شناسی اس بات کی دلیل ہے کہ ہم نے رب کو پہنچانا۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ یعنی جس نے اپنے نفس کو پہچانا اس نے اپنے رب کو پہچانا۔ اس سلسلے میں خود اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے کہ نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ۔ (ہم انسان سے اس کی رگِ جاں سے بھی زیادہ قریب ہیں)۔

بس ضروری ہے کہ اس کائنات ارضی و سماوی میں انسان کو اپنی ذات کا احساس ہونا چاہیئے۔ ہستی، احساس اور ذات کا تعین ہی دراصل فلسفۂ خودی ہے جس کا تعلق ایک طرف خود اپنی ذات سے ہے اور دوسری طرف یہ کائنات کے متعلقات سے بھی وابستہ ہے۔ لہذا ضروری ہے کہ انسان اپنی ذات اور ہستی کا تعین کرے۔ کیونکہ خالق کائنات کے بعد اگر کوئی ہستی محترم ہے تو وہ انسان ہے۔ جیسے خَلِیْفَةُ اللّٰهِ فِی الْاَرْضِ۔ ہونے کا شرف حاصل ہے خود کلام پاک میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ کائنات کی تخلیق کا واحد مقصد انسان ہے اور اس کائنات میں موجود ہر شے انسان کے تصرف میں ہے کوہ و صحرا، سمندر و ہوائیں، بادل و گھٹائیں، زمین و آسمان سبھی پر اس کی حکومت ہے کلام پاک میں آیا ہے کہ ھُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَکُمْ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا (وہی ہے جس نے پیدا کیا تمہارے واسطے زمین میں جو کچھ ہے) اور سَخَّرَ لَکُمْ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا (جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب تمہارے تابع فرمان ہے)۔

بالِ جبریل میں اقبال نے اسی آیت شریفہ کی تفسیر کی ہے اور یہ بتایا ہے کہ جب حضرت آدمؑ کو جنت سے نکالا گیا ہے تو روحِ ارضی نے اس کا استقبال یہ کہہ کر کیا میرے سارے پوشیدہ خزانے تیرے تصرف

ہیں اور تو ہی ان کا مالک و مختار ہے۔

ہیں تیرے تصرف میں یہ بادل یہ گھٹائیں　　یہ گنبدِ افلاک یہ خاموش فضائیں
یہ کوہ، یہ صحرا، یہ سمندر، یہ ہوائیں　　تھیں پیشِ نظر کل تو فرشتوں کی ادائیں
آئینۂ ایام میں آج اپنی ادا دیکھ

خورشید جہاں تاب کی ضو تیرے شرر میں　　آباد ہے اک تازہ جہاں تیرے ہنر میں
جچتے نہیں بخشے ہوئے فردوس نظر میں　　جنت تری پنہاں ہے ترے خون جگر میں
اے پیکرِ گِل کوششِ پیہم کی جزا دیکھ

(روحِ ارضی آدم کا استقبال کرتی ہے)

'پیامِ مشرق' میں بھی اسی بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ اس زمین پر صرف اللہ کے نیک اور صالح بندے (مومن) ہی حکومت کر سکتے ہیں۔ کلامِ پاک میں ارشادِ گرامی ہے۔

اِنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ　بے شک زمین صالح بندوں کی میراث ہے۔

گویا اس زمین پر کوئی غیر مستحق جماعت کبھی قابض نہیں ہو سکتی بلکہ غالب ہمیشہ وہی قومیں رہیں گی جو اپنے فکر و عمل اور جذبۂ تسخیر کی اہلیت سے اپنے آپ کو اس کا مستحق ثابت کریں گی اقبال کے نزدیک اللہ کی زمین اللہ ہی کی زمین ہے اور یہی (اَلْمُلْكُ لِلّٰهِ وَالْحُكْمُ لِلّٰهِ) ان کا وظیفہ حیات ہے لہٰذا اقبال حکومتِ الٰہیہ کے علاوہ کسی اور حکومت کے خواستگار نہیں۔

طارق چو بر کنارۂ اندلس سفینہ سوخت　　گفتند کار تو بہ نگاہ خرد خطا ست
دوریم از سواد وطن باز چوں رسیم؟　　ترک سبب ز روئے شریعت کجا رواست
خندید و دست خویش بہ شمشیر برد و گفت
ہر ملک ملکِ ماست کہ ملک خدائے ماست　　(پیامِ مشرق)

یہ ہے صالح اور نیک بندوں (مومن) کی شان کہ ان کے جہاں کی کوئی حد نہیں ہوتی۔ ہر مقام انھیں کا مقام ہوتا ہے چنانچہ اقبال کہتے ہیں:

مومن کے جہاں کی حد نہیں ہے
مومن کا مقام ہر کہیں ہے

قرآنی تعلیم اور اس کے فیوض و برکات سے محرومی کا ایک سبب قرآن مجید کو مشکل سمجھ لینا بھی ہے۔ حالانکہ اللہ جل جلالہٗ کا ارشاد ہے:

وَلَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ (بے شک ہم نے اس قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے لیے آسان کر دیا ہے۔

اقبال نے پیام مشرق میں ایک جگہ اسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ قرآن فطرتِ انسانی کا دوسرا نام ہے اور ضمیر انسانی اس کی دلیل ہے ؎

ز رازی معنیٔ قرآں چہ پرسی — ضمیرِ ما بآیاتش دلیل است
خرد آتش فروزد، دل بسوزد — ہمیں تفسیرِ نمرود و خلیل است

اسلام میں تعلیم کو مرکزی حیثیت حاصل ہے چنانچہ پہلی وحی اسی روشنی میں نازل ہوئی ہے۔ اقبال نے بھی علم کو اولیت دی ہے اور اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ زلیست قانونِ قدرت کا جزو لاینفک ہے جہد للبقاء ضروری چیز ہے۔ علم کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ حکمت ایک خیر کثیر شے ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یوں عطا ہوتی ہے۔

یُؤْتِی الْحِكْمَةَ مَنْ یَّشَاءُ وَمَنْ یُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَیْرًا كَثِیْرًا ط

اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے حکمت عطا فرماتا ہے اور جسے حکمت عطا کی گئی بلاشبہ اسے خیر کثیر عطا کی گئی۔

زندگی جہد است و استحقاق نیست — جز بعلمِ انفس و آفاق نیست
گفت حکمت را خدا خیرِ کثیر — ہر کجا ایں خیر را بینی بگیر
سیدِ کل، صاحبِ اُمّ الکتاب — پردگیہا بر ضمیرش بے حجاب
گرچہ عین ذات را بے پردہ دید — رَبِّ زِدْنِی از زبانِ او چکید

(پیام مشرق)

اقبال کی کتاب "تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ" اس لحاظ سے کافی اہمیت کی حامل ہے کہ اس کا تعلق فلسفہ اسلامی سے ہے اور غالباً یہ پہلا نظام ہے جو خالصتاً قرآن پاک کے فلسفہ الٰہیات کے مطابق ہے اس کا ثبوت یہ ہے کہ اقبال نے جن محسوسات و مدرکاتِ انسانی کی تشریح کی ہے قرآن مجید کی ہی پاکیزہ تعلیم کی اتباع میں کی ہے ایک جگہ فرماتے ہیں:

"ہمارے ذہن خارجی محسوسات مسلسل ایک ہی حقیقت کے مختلف آیات ہیں جو اوّل و آخر بھی ہے اور ظاہر و باطن بھی"[۴] یہ اس آیت شریفہ کی تفسیر ہے۔

هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ

مثنوی اسرارِ خودی میں اقبال نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ خودی عشق و محبت سے مستحکم ہوتی ہے یہ عشق عشقِ رسولؐ ہونا چاہیئے۔ اس لیے کہ رسولؐ کی اطاعت کے بغیر اللہ کی اطاعت ناممکن ہے اقبال نے کہا کہ مسلمانوں کو اپنے قلب کو نامِ محمدؐ سے منور کرنا چاہیے کیونکہ یہی مسلمانوں کی آبرو ہے

در دلِ مسلم مقامِ مصطفےٰ است
آبروئے ما ز نامِ مصطفےٰ است

اگرچہ کفارِ مکہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت ایذا دی تھی مگر فتح مکہ کے بعد جب فاتح کو انتقام کا موقع ملا تو حضور نے یہ کہہ کر سب کو معاف کر دیا کہ لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ یعنی آج تم پر کوئی الزام (شکایت نہیں)

آنکہ بر اعدا در رحمت کشاد
مکہ را پیغام لا تثریب داد (اسرارِ خودی)

مثنوی اسرارِ خودی میں اقبال نے تربیتِ خودی کے تین مراحل بتائے ہیں۔ یہ اطاعت، ضبط نفس اور نیابت الٰہی ہیں۔ مرحلہ اطاعت کے سلسلہ میں اقبال کہتے ہیں کہ انسان کو اپنے فرض سے غافل نہیں ہونا چاہیے۔ اُشتر کی مثال پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس کا شعار ہی خدمت اور محنت کرنا ہے قرآن شریف کی آیت ہے کہ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَآبِ (اور بہتر ٹھکانہ تو اللہ ہی کے پاس ہے) اس کی تلمیح اس شعر میں ہے[۵]

تو ہم از بارِ فرائض سر متاب
بر خوری از عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَآب

مرحلۂ ضبط نفس کے سلسلے میں بھی قرآن سے ہی مثالیں پیش کی گئی ہیں جس میں حضرت ابراہیم خلیل اللہ اور حضرت اسمٰعیل ذبیح اللہ کے اسوۂ حسنہ کو پیش کیا گیا ہے اور اس ضمن میں ارکانِ پنجگانہ کا بھی ذکر ہے[۵]

---

۵ قرآن اور اقبال، ابو محمد مصلح ۱۹۷۷ء ص ۴۴،۴۳

ہر کہ در اقلیم لا آباد شد  فارغ از بندِ زن و اولاد شد
می کند از ما سوئے قطع نظر  می نہد ساطور بر حلق پسر

اس کے بعد نماز کے فوائد بیان کرتے ہیں اور اس سلسلے میں کلام پاک آیت اِنَّ الصَّلوٰةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ ط (بے شک نماز بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے) کی تفسیر کی ہے کہ نماز حج اصغر ہے اور یہی مسلم کے ہاتھ میں خنجر ہے ؎

لآ اِلٰہ باشد صدف، گو ہر نماز  قلب مسلم را حج اصغر نماز
در کفِ مسلم مثالِ خنجر است  قاتل فحشاءُ بغی و منکر است

زکوٰۃ کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ دولت کی محبت کو فنا اور ہم کو مساوات سے آشنا کرتی ہے۔ دل اگر حَتّٰى تُنْفِقُوْا سے محکم ہو تو زر کھو کر بھی انسان غنی ہوتا ہے کلام پاک میں ارشاد گرامی ہے :

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۰ (ہرگز نہ حاصل کرسکو گے نیکی میں کمال جب تک نہ خرچ کرو اپنی پیاری چیز سے کچھ) .

حُبِّ دولت را فنا سازد زکوٰۃ  ہم مساوات آشنا سازد زکوٰۃ
دل ز حَتّٰى تُنْفِقُوْا محکم کند  زر فزاید، الفتِ زر کم کند

تیسرا مرحلہ نیابت الٰہی ہے جو طاعت الٰہی اور ضبط نفس کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ یہاں انسان جس میں خدا کی صفات منعکس ہوجاتی ہیں ہشش جہالت کا فرماں روا ہوجاتا ہے یہ صورت اس وقت پیش آتی ہے جب انسان خود کو اللہ کے رنگ میں رنگ لیتا ہے۔ علامہ اقبال میں اس ضمن میں وَعَلَّمَ آدَمَ الْاَسْمَاءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ (اور آدم نے یہاں تک ترقی کی تعلیم الٰہی سے تمام چیزوں کے نام معلوم کرلیے) اور سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى ..... لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا ط پاک ہے وہ ذات جو لے گئی اپنے بندے (حضورؐ) کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک ...... سیر کرائی اور اس لیے سیر کرائی کہ اپنی نشانیاں اسے دکھادیں ؏

کی تفسیر کی ہے :

گر شتر بانی، جہاں بانی کنی  زیب سر تاج سلیمانی کنی

تاجہاں باشد جہاں آرا شوی تاجدارِ ملکِ لَا یُبْلیٰ شوی
نوعِ انساں را بشیر و ہم نذیر ہم سپاہی، ہم سپہ گر، ہم امیر
مدعائے عَلَّمَ الْاَسْمَاءُ ستی سرِ سُبْحٰنَ الَّذِیْ اَسْرٰی ستی

کلامِ اقبال میں جس سورۃ کی مکمل تفسیر ملتی ہے وہ سورۂ اخلاص ہے جو مثنوی "رموزِ بے خودی" میں شامل ہے۔ یہ سورۃ قصیدہ ہے جسے اللہ جل جلالہٗ نے خود اپنی شان میں کہا ہے۔ اتنا جامع، پرشکوہ، مختصر اور دلکش قصیدہ نہ تو آج تک کہا گیا ہے اور نہ آئندہ ممکن ہے۔ یہ سورۃ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اختصار کے پیشِ نظر اس کی تفصیل یہاں ممکن نہیں ہے۔

**بانگِ درا:**

صبحِ ازل جو حسن ہوا دلستانِ عشق آواز کن ہوئی تپش آموز جانِ عشق
یہ حکم تھا کہ گلشنِ کن کی بہار دیکھ ایک آنکھ سے کے خواب پریشاں ہزار دیکھ
(شمع)

"شکوہ" میں کہتے ہیں:

کون سی قوم فقط تیری طلبگار ہوئی؟ اور تیرے لیے زحمت کش پیکار ہوئی؟
کس کی شمشیر جہاں گیر جہاں دار ہوئی؟ کس کی تکبیر سے دنیا تیری بیدار ہوئی؟
کس کی ہیبت سے صنم سہمے ہوئے رہتے تھے
منہ کے بل گر کے هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ کہتے تھے

"جوابِ شکوہ" میں اسلام کی جن مرکزی اشیاء کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ سب قرآن کی مرکزیت میں جمع ہیں اس ضمن میں کچھ بند کے پہلے مصرعے ہی لکھے جا رہے ہیں اور پورے بند کو دیکھنے پر یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ اسلام یا قرآن ہم سے کس چیز کی توقع رکھتا ہے۔

منفعت ایک ہے اس قوم کی نقصان بھی ایک پورا بند دیکھئے
کون ہے تارکِ آئینِ رسولِ مختار کا؟ "
ہر کوئی مست مئے ذوقِ تن آسانی ہے "
قوتِ عشق سے ہر پست کو بالا کر دے دہر میں اسمِ محمدؐ سے اجالا کر دے
چشمِ اقوام یہ نظارہ ابد تک دیکھے رفعتِ شانِ رَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ دیکھے

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں　　یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

(جواب شکوہ) متفرق اشعار

آ بتاؤں تجھ کو رمز آیۂ اِنَّ الْمُلُوْکَ

سلطنت اقوام غالب کی ہے ایک جادوگری　　(سلطنت)

نظم " دنیائے اسلام " میں اس بات کی تلقین کی ہے کہ مسلمانوں کو ہر گھڑی لَا یُخْلِفُ الْمِیْعَادَ پیش نظر رکھنا چاہیئے ۔

مسلم استی سینہ را آرزو آباد دار　　ہر زماں پیش نظر لَا یُخْلِفُ الْمِیْعَاد دار

ایک غزل بھی اسی بات کی طرف دلالت کرتی ہے

گرچہ تو زندانی اسباب ہے　　قلب کو لیکن ذرا آزاد رکھ

اے مسلماں ہر گھڑی پیش نظر　　آیۂ لَا یُخْلِفُ الْمِیْعَاد رکھ

یہ 'لسان العصر' کا پیغام ہے　　اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ یاد رکھ

حرف یَنْسِلُوْنَ کی تفسیر ملاحظہ ہو

محنت و سرمایہ دنیا میں صف آرا ہو گئے　　دیکھیے ہوتا ہے کس کس تمناؤں کا خون

حکمت و تدبیر سے یہ فتنۂ آشوب خیز　　ٹل نہیں سکتا وَقَدْ کُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ

کھل گئے یاجوج اور ماجوج کے لشکر تمام　　چشم مسلم دیکھ لے تفسیر حرف یَنْسِلُوْنَ

## بال جبریل :

محمدؐ بھی ترا ، جبریل بھی ، قرآن بھی تیرا

مگر یہ حرف شیریں ترجماں تیرا ہے یا میرا؟

عطا اسلاف کا جذب دروں کر　　شریک زمرۂ لَا یَحْزَنُوْنَ کر

مرد حق کی شان لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ہے اسے ماسوا اللہ کے کسی کا خوف نہیں ہوتا ہے اور رَبِّیَ الْاَعْلٰی کے دو حرفوں میں اس طرح فنا ہو جاتا ہے کہ دونوں جہاں اس کی نگاہوں میں ہیچ ہوتے ہیں ۔

معنی جبریل و قرآن است او　　فِطْرَةَ اللّٰهِ را نگہبان است او

درس لا خوف علیہم می دہد … نادے در سینۂ آدم نہد
مرد حق! افسون این دیر کہن … از دو حرف ربی الاعلیٰ شکن

(پس چہ باید کرد)

جبریل کے اس سوال پر کیا نہیں ممکن کہ تیرا چاک دامن ہو رفو؟ ابلیس کا جواب ملاحظہ ہو ؎

جس کی نومیدی سے ہو سوز درون کائنات … اس کے حق میں تقنطوا اچھا ہے یا لا تقنطوا
میں کھٹکتا ہوں دل یزداں میں کانٹے کی طرح … تو فقط اللہ ھو، اللہ ھو، اللہ ھو

لا الٰہ ماسوا اللہ کی حکومتوں کو مٹانے کے واسطے اور لا الٰہ حکومتِ الٰہیہ کے قیام کے لیے ہے اسی نقطۂ نظر کو مختلف پیرائے میں پیش کیا گیا ہے ؎

قلندر جز دو حرف لا الٰہ کچھ بھی نہیں رکھتا
فقیہ شہر قاروں ہے لغت ہائے حجازی کا

گلا تو گھونٹ دیا اہل مدرسہ نے ترا … کہاں سے آئے صدا لا الٰہ الا اللہ
لبالب شیشۂ تہذیب حاضر ہے مئے لا سے … مگر ساقی کے ہاتھوں میں نہیں پیمانۂ الا
اے لا الٰہ کے وارث باقی نہیں ہے تجھ میں … گفتار دلبرانہ، کردار قاہرانہ
مرد سپاہی ہے وہ اس کی زرہ لا الٰہ … سایۂ شمشیر میں اس کی پنہ لا الٰہ

## ضربِ کلیم:

اس حصے کے شروع میں ہی ایک نظم لا الٰہ الا اللہ کے عنوان سے ہے۔ اس میں ماسوا کا انکار اور لا الٰہ الا اللہ کا اقرار ہے جس کی تکرار ہر شعر کے آخر میں ملتی ہے۔ بقول پروفیسر اسلوب احمد انصاری یہ تکرار اس بات کی شاہد ہے کہ شاعر کے نزدیک یہی آخری حقیقت ہے یہ ترکیب اسلام کے پیش کردہ عقیدۂ وحدانیت کا عطر پیش کرتی ہے۔

یہ مال و دولتِ دنیا یہ رشتہ و پیوند … بتانِ وہم و گماں لا الٰہ الا اللہ
کیا ہے تو نے متاعِ غرور کا سودا … فریبِ سود و زیاں لا الٰہ الا اللہ
اگرچہ بت ہیں جماعت کی آستینوں میں … مجھے ہے حکمِ اذاں لا الٰہ الا اللہ

اس کے بعد نظم معراج میں معنیٔ والنجم کی طرف بڑے دل کش اور دل آویز پیرائے میں توجہ دلاتے ہیں

دے ولولۂ شوق جسے لذتِ پرواز — کر سکتا ہے وہ ذرہ مہ و مہر کو تاراج

مشکل نہیں یارانِ چمن! معرکۂ باز — پر سوز اگر ہو نفسِ سینۂ دراج

ناوک ہے مسلماں، ہدف اس کا ہے ثریا — ہے سرِ سرا پردۂ جاں نکتۂ معراج

تو معنیِ والنجم نہ سمجھا تو عجب کیا — ہے تیرا مد و جزر ابھی چاند کا محتاج

زندہ قوت تھی جہاں میں یہی توحید کبھی — آج کیا ہے فقط ایک مسئلۂ علمِ کلام

میں نے اے میرِ سپہ تیری سپہ دیکھی ہے — قُلْ هُوَ اللّٰه کی شمشیر سے خالی ہیں نیام

آہ اس راز سے واقف ہے نہ ملا نہ فقیہ — وحدتِ افکار کی بے وحدتِ کردار ہے خام (التوحید)

آہ اے مردِ مسلماں کیا تجھے یاد نہیں — حرف لَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا آخَر

ہر لحظہ ہے مومن کی نئی شان نئی آن — گفتار میں کردار میں اللہ کی برہان

فطرت کا سرودِ ازلی اس کے شب و روز — آہنگ میں یکتا صفتِ سورۂ رحمٰن

(مردِ مسلمان)

قرآن میں ہو غوطہ زن اے مردِ مسلماں — اللہ کرے تجھ کو عطا جدتِ کردار

جو حرف قُلِ الْعَفْو میں پوشیدہ ہے اب تک — اس دور میں شاید وہ حقیقت ہو نمودار

(اشتراکیت)

## ارمغانِ حجاز:

مست رکھو ذکر و فکرِ صبح گاہی میں اسے
پختہ تر کر دو مزاجِ خانقاہی میں اسے

(ابلیس)

جہاں کی روحِ رواں لَا اِلٰهَ اِلَّا هُو — مسیح و میخ و چلیپا یہ ماجرا کیا ہے؟

(مسعود مرحوم)

## جاوید نامہ:

آیۂ تسخیر اندر شانِ کیست؟ — ایں سپہرِ نیلگوں حیرانِ کیست؟

رازدانِ عَلَّمَ الْاَسْمَاء کہ بود؟ — مستِ آں ساقی و آں صہبا کہ بود؟

ہرگز بدی از ہمہ عالم کرا ؟ — کردی از راز درون محرم کرا ؟

اے ترا تیرے کہ مارا سینہ سفت — حرف اُدعُونی کہ گفت و باکہ گفت

چیست قرآں ؟ خواجہ را پیغام مرگ — دستگیر بندۂ بے ساز و برگ

ہیچ خیر از مردک زر کش مجو — لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوا

بندۂ مومن امین، حق مالک است — غیر حق ہر شے کہ بینی هَالِكٌ است

كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ

رایت حق از ملوک آمد نگوں — قریہ ہا از دخل شاں خوار و زبوں

إِنَّ الْمُلُوكَ إِذَا دَخَلُوا قَرْيَةً أَفْسَدُوهَا

آب و نان ماست از یک مائدہ — دودۂ آدم كَنَفْسٍ وَاحِدَةٍ

مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ إِلَّا كَنَفْسٍ وَاحِدَةٍ

اقبال اس لحاظ سے بھی اہم ترین شاعر ہیں کہ انھوں نے قرآن مجید کو بخوبی سمجھ کر صرف اپنے کلام میں پیش ہی نہیں کیا بلکہ ان کے کلام کے مطالعہ سے دوسروں کے اندر قرآن پڑھنے اور سمجھنے کی کی تحریک پیدا ہوتی ہے۔ مسلمانوں میں کلام اقبال کو کس حد تک مقبولیت حاصل ہوئی۔ یہ محتاج بیان نہیں۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ اقبال جیسے عظیم شاعر کا کلام اگر بار بار پڑھا جائے گا تو یقیناً ہمارے اندر اخلاقی تبدیلیاں بھی پیدا ہوں گی۔